ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ممتاز شیریں کے تنقیدی نظریات ایک جائزہ

ڈاکٹر عطاء الرحمن میو
ایسوسی ایٹ پروفیسر، لاہور گیریژن یونیورسٹی

محمد آصف ممتاز
پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور گیریژن یونیورسٹی

ABSTRACTS

Mumtaz shireen known as a unique critic in the urdu literary circle. Because of her critical views , she introduced new critical trends. She studied western literature at that time , when urdu literature is unaware of western critical ideas . Her short stories also contain the same critical ideas. She wrote books containing critical content . beside this the also wrote many articles on Manto using many new techniques to present her critical views about the personality and writings of Manto.in this article ,mumtaz shireen's critical views will be discussed.

KEY WORDS: introduced, unique,critical views, personality,urdu literature,trends,content

تنقید فن پارے کے مطالعہ کا وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے اس کی تفہیم و تحسین کی راہ ہموار ہوتی ہے ۔تنقید ادب کو سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت کو فروغ دیتی ہے اور قاری کو ادب شناسی کی راہ دکھاتی ہے ۔تنقید فن پارے اور قاری کے درمیان نہ صرف رابطے کا کام دیتی ہے بلکہ دونوں کے درمیان مستحکم رشتہ قائم کرتی ہے ۔فن پارے کو جانچتی اور پرکھتی ہے ،اس کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتی ہے اور وہ اسباب دریافت کرتی ہے جنہوں نے فنکار کو یہ کارنامہ پیش کرنے پر آمادہ کیا ،اور یہ طے کرتی ہے کہ اس کارنامے کو فن اور ادب کی دنیا میں کیا مرتبہ حاصل ہے۔اعلی درجے کی تنقید اچھے برے کا دو ٹوک فیصلہ نہیں کرتی بلکہ فن پارے کی قرات ،اس کی تشریح اور ترجمانی اور بعض اوقات تحلیل و تجزیہ سے کام لے کر قاری کی مدد بھی کرتی ہے۔بقول پروفیسر آلِ احمد سرور اچھی تنقید تخلیقی ادب کی طرف مائل کرتی ہے۔(1)

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ تنقید کو صرف خوبیوں سے سروکار رکھنا چاہیے اور بعض اس کے قائل ہیں کہ تنقید کا کام خامیوں سے خبردار کرنا ہے لیکن تنقید نہ تو صرف تعریف ہے نہ محض تنقیص بلکہ یہ دونوں پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد کسی فن پارے کی قدر و قیمت کا تعین کرتی ہے۔ نقاد ایک طرف قاری کی ذہنی تربیت کرتا ہے تو دوسری طرف فنکار کا رفیق و مددگار بھی ثابت ہوتا ہے۔سید احتشام حسین کہتے ہیں کہ نقاد ادیب کے نقطہ نظر کو سمجھتا ہے اور ادب اور زندگی کا تعلق تلاش کرتا ہے۔اس طرح ادب کے بہترین اور پائیدار حصوں کا تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔(2)

تنقید سب سے پہلے یہ دیکھتی ہے کہ فن پارے میں جو تجربہ پیش کیا گیا ہے ،اس کی کیا اہمیت ہے اور پھر یہ کہ فنکار اپنے تجربے کو پراثر انداز میں پیش کر سکا ہے یا نہیں۔ممتاز شیریں کے ہاں بھی یہی رجحان غالب نظر آتا ہے۔مواد اور ہئیت میں چوں کہ ایک طرح کا ناگزیر تعلق ہے اس لیے ہئیت کا مطالعہ بغیر مواد کے اور مواد کا مطالعہ بغیر ہئیت کے مکمل نہیں ہو سکتا،وہ دونوں پہلوؤں پر بطور خاص گہری نظر ڈالتی ہیں۔ ممتاز شیریں اہم نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھی ادیب بھی ہیں اس لیے ایک طرف ان کی تخلیق میں خود انتقادی عمل کار فرما نظر آتا ہے تو دوسری طرف ان کی تنقید میں ایک

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

تخلیقی شان بھی پائی جاتی ہے۔ ادب کے محرکات تک رسائی حاصل کرنا،اس کے گوناگوں پہلوؤں کو گرفت میں لانا، ان کا انسان کے وسیع ذہنی و عملی تجربات کی روشنی میں جائزہ لینا اور پھر سب کو ایک نئی معنویت، تربیت اور حسن کے ساتھ پیش کرنا تخلیقی عمل کی بہت سی خصوصیات کا حامل ہےاوریہی تمام جوہر ممتاز شیریں کے تنقیدی اصول بنے۔کیوں کہ وہ اس کلیے سے واقف ہیں کہ تنقید اگر تخلیقی جوہر سے بے بہرہ ہو جائے تو پھر ادب کے تابع مہمل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔(3)

ممتاز شیریں نے فن افسانہ نگاری، ترجمہ نگاری اور تنقید کے شعبوں میں جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں ان کا ایک عالم معترف ہے ان کی تخلیقی اور تنقیدی قربانیوں سے اردو ادب کی ثروت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ندرتِ تخیل،اسلوب کی انفرادیت،فکر پرور اور بصیرت افروز تجزیاتی مطالعہ کو جس فن کارانہ مہارت سے انہوں نے اپنی تحریروں میں استعمال کیا ہے وہ انہیں ایک بلند مقام عطا کرتا ہے۔ایک بلند پایہ نقاد کی حیثیت سے انہوں نے مقدور بھر کوشش کی کہ افکارِ تازہ کی اساس پر جہانِ تازہ کا قصرِ عالی شان تعمیر کیا جائے۔وہ ایک وسیع القلب اور فراخ دل تخلیق کار اور ایک زیرک نقاد تھیں۔ادبی تخلیقات کے محاسن اور معائب پر ان کی گہری نظر رہتی تھی۔انہوں نے اپنے اسلوب میں عصری آگاہی کو پروان چڑھانے کے لیے سخت محنت کی۔معاشرتی اور سماجی زندگی میں انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ ایک تخلیق کار کو ایسی طرزِ فغاں اپنانی چاہیے جو علم و عمل کے مقاصد کو رفعت کے اعتبار سے ہمدوشِ ثریا کر دے۔معاشرتی زندگی ہو یا کائنات کے غیر مختتم مسائل سب کے بارے میں ممتاز شیریں کا اندازِ فکر ہمہ گیر نوعیت کر رہا۔اپنے محاکے سے وہ اچھائی اور برائی میں موجود حدِ فاصل کے بارے میں قاری کو مثبت شعور و اگاہی سے متمتع کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔زندگی کے آفاقی اور حیات آفریں اقدار کے تحفظ، ارتقا اور بقا کو وہ دل و جان سے عزیز رکھتی تھی۔اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے ان کی خدمات تاریخِ ادب کا ایک اہم واقعہ ہیں۔

ممتاز شیریں نے1944ءمیں اپنے شوہر صمد شاہین سے مل کر ایک ادبی مجلے" نیا دور"کی اشاعت کا آغاز کیا۔اس رجحان ساز ادبی مجلے نے جمود کا خاتمہ کیا اور مسائلِ ادب اور تخلیقی محرکات کے بارے میں چشم کشا صداقتیں سامنے لانے کی سعی کی۔قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے ممتاز شیریں کا خاندان کراچی پہنچا۔جہاں انہوں نے اپنے ادبی مجلے "نیا دور" کی اشاعت پر توجہ دی اور کراچی سے باقاعدہ اس کی اشاعت کا آغاز ہو گیا۔

نیا دور کے پہلے شمارے میں ان کا پہلامقالہ" 1943 ء کے افسانے" شائع ہوا تھا یہ مقالہ اتنا اچھا ،اتنا عمدہ اور اس قدر بھرپور تھا کہ اس نے دنیائے ادب میں دھوم مچا دی۔شہزاد منظر کے بقول :

> **"یہ اردو کا پہلا مقالہ تھا جس میں سال بھر کے تمام اچھے افسانوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا تھا ۔ہر افسانہ اور اس کے مصنف کے فن سے بھرپور بحث کی گئی تھی اور ان افسانوں کی ادبی قدر و قیمت جانچنے کی کوشش کی گئی تھی۔اردو میں اس سے قبل مجنوں گورکھپوری ،وقار عظیم اور احتشام حسین وغیرہ میں اردو افسانوں اور فن افسانہ نگاری کے بارے میں بہت کچھ لکھا تھا لیکن کسی نقاد نے اس سے قبل سال بھر کے افسانوں کا اتنا عالمانہ انداز میں جائزہ نہیں لیا تھا۔اس وقت تک اردو میں اس قسم کے مضامین کی روایت نہیں تھی چنانچہ یہ مقالہ شائع ہوتے ہی ادبی دنیا کی توجہ اس مقالہ نگار خاتون کی جانب مبذول ہو گئی اور اردو کے سربرآوردہ ادیبوں اور نقادوں نے اِن کے مقالہ کو پُرشکوہ الفاظ میں سراہا۔"(4)**

"1943ءکے افسانے "کی اشاعت نے ممتاز شیریں کو ملک گیر شہرت بخشی اور ہندوستان کے گوشے گوشے سے انہیں اردو کے ممتاز ادیبوں اور نقادوں کے تعریفی خطوط موصول ہونے لگے جن میں اردو کے مشہور ادیب اور انشاء پرداز قاضی عبدالغفار، کرشن چندر، احتشام حسین سیّد، خواجہ احمد عباس کے لکھے گئے خطوط قابل ذکر ہیں۔

ممتاز شیریں کا پہلا افسانہ "انگڑائی" تھا جو 1944 ء کے "ساقی" میں شائع ہوا تھا جس کے بارے میں اس دور میں صمد شاہین کا خیال تھا کہ یہ ۱۹۴۴کے بہترین افسانوں میں سے ایک ہے۔(5)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ممتاز شیریں کے افسانوں میں سب سے زیادہ مقبول یہی افسانہ ہوا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں انہوں نے اپنا ذاتی تجربہ پیش کیا ہے۔ اس افسانے کو ادبی حلقوں میں بہت زبردست پذیرائی ملی۔اس افسانے میں ممتاز شیریں نے فرائیڈ کے نظریہ تحلیل نفسی کو جس مؤثر انداز میں پیش نظر رکھا ہے وہ قاری کو محصور کر دیتا ہے۔افسانہ کیا ہے عبرت کا ایک تازیانہ ہے۔ ایک لڑکی بچپن میں اپنی ہی جنس کی ایک دوسری عورت سے پیمانِ وفا باندھ لیتی ہے۔جب وہ بھرپور شباب کی منزل کو پہنچتی ہے تو اس کے مزاج اور جذبات میں جو مدو جزر پیدا ہوتا ہے وہ اس سے مخالف جنس کی کشش پر مجبور کر دیتا ہے یہ جذبات کی کروٹ اور محبت کی انگڑائی نفسیاتی اعتبار سے گہری معنویت کی حامل ہے۔ بچپن کی ناپختہ باتیں جوانی میں جس طرح بدل جاتی ہیں ان کا حقیقت پسندانہ تجزیہ اس افسانے کا اہم موضوع ہے۔

جب یہ کہا گیا کہ یہ افسانہ ان کا آٹو بائی گرافک ہے اس بارے میں ممتاز شیریں کا کہنا ہے کہ:-

"بعض لوگ میرے افسانے کو آٹو بائی گرافک سمجھتے ہیں "انگڑائی" کی بنیاد ایک خواب پر رکھی گئی ہے میں نے "اپنی نگریا" کے دیباچے میں لکھا تھا کہ میرا مشاہدہ محدود ہے میرا خیال ہے کہ آرٹسٹ کا یہ اصول ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ریخ میں لکھے چنانچہ جین اسٹین کی بڑائی اور ادبی دیانتداری اسی میں ہے کہ انہوں نے اپنے تجربے اور ریخ سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی۔اب تو یہ دیکھا جا رہا ہے کہ یہاں بیٹھے چین اور کوریا کے بارے میں افسانے لکھے جا رہے ہیں ظاہر ہے اُن کا معیار کیا ہوگا۔مشاہدے کی وسط کی جتنی اہمیت ہے۔ INTENSITY OF FEELING کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے۔"(6)

ممتاز شیریں کا افسانہ" انگڑائی" اگرچہ کافی مقبول ہوا لیکن انہیں اپنا افسانہ "آئینہ" بے حد پسند تھا۔ یہ افسانہ ممتاز شیریں نے اناطول فرانس کے" میڈم متھائس" سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔ لیکن مواد ،ذہنیت اور تکنیک کے لحاظ سے یہ بالکل جدا تخلیق ہے۔ممتاز شیریں اسے اپنا بہترین افسانہ سمجھتی تھیں چنانچہ وہ اس بارے میں کہتی ہیں کہ میں آئینہ کو اپنا بہترین افسانہ گردانتی ہوں۔یہ ایک تخلیقی امنگ کے زیر اثر لکھا گیا۔اس میں زندگی کی ٹریجڈی ہے۔(7)

ممتاز شیریں افسانے کی بہت اچھی نقاد تھیں انہوں نے افسانے کی تکنیک اور عصر حاضر کے اردو اور مغربی افسانے کے بارے میں جتنے عمدہ اور اچھے مقالے لکھے ہیں کسی اور دوسرے نقاد نے نہیں لکھے۔ممتاز شیریں کے مقالوں میں تکنیک کا تنوع، اردو افسانے پر مغرب کے اثرات اور سعادت حسن منٹو کی افسانہ نگاری پر ان کی معرکتہ الآرا تصنیف "نوری نہ ناری "قابل ذکر تخلیقات ہیں۔انہوں نے بلا شبہ ان تنقیدوں کو تخلیق کا درجہ بخشا ہے وہ اس زمانے کی روایتی سوچ اور عورتوں سے متعلق مخصوص ذہنیت کو مسترد کرتے ہوئے اپنے افکار اور قلم کی بے باکی کی وجہ سے بھی مشہور ہوئیں۔ممتاز شیریں نے اپنی تنقیدوں میں"تخلیق کی بے فطری ساختگی"کا بار بار ذکر کیا ہے۔چنانچہ ممتاز شیریں نے ایک بار تنقید اور تخلیق کے فرق سے بحث کرتے ہوئے کہا تھا:-

"میری تنقید اور تخلیق ایک دوسرے کے لیے کمپلیمنٹری رہے ہیں۔ادیب کی شخصیت کے دو پہلو۔تنقیدی اور تخلیقی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔میں سمجھتی ہوں کہ ادیب میں جو نقاد ہے وہ فنکار کی رہنمائی کرتا ہے لیکن اسے اِس حد تک حاوی نہیں ہونا چاہیے کہ تخلیق کی بے فطری ساختگی معدوم ہو جائے اور آمد کی جگہ آورد پیدا ہو۔"(8)

"میگھ ملہار" اور "دیپک راگ" کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ دونوں افسانے قطعی شعوری کوشش سے لکھے ہیں اِن میں بقول ان کے تخلیق کی فطری بے ساختگی نام کو نہیں ہے اور یہ افسانے اُن کی اصطلاح میں آمد نہیں آورد ہیں۔

ممتاز شیریں نے جب افسانہ نگاری اور تنقید نگاری شروع کی تو اس وقت تک انہوں نے دنیا کے کلاسیکی ادب کا ایک بڑا حصہ پڑھ ڈالا تھا جبکہ ہمارے زیادہ تر ادیب جدید ترین مغربی ادب سے برائے نام واقف تھے۔چنانچہ جب ممتاز شیریں کا مقالہ "تکنیک کا تنوع" سویرا میں چھپا تو ہر طرف اس کی دھوم مچ گئی یہ مقالہ ایک ایسے ذہن کی پیداوار معلوم ہوتا تھا جس نے برسوں افسانے کی متنوع تکنیک سمجھنے کی کوشش کی اور دنیا کے نام اور افسانہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

نگاروں کے مشہور افسانوں کو غور و فکر کی گرفت میں لے چکا ہے ان کے بعد افسانے چھپنے لگے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جتنی اچھی نقاد ہیں اسی قدر ماہر افسانہ نگار بھی ہیں۔

ممتاز شیریں کا مقالہ "تکنیک کا تنوع" اردو کے اہم ترین مقالوں میں شمار ہوتا ہے اور ہر کڑے سے کڑے انتخاب میں آسانی سے جگہ پا سکتا ہے۔یہ مقالہ زیادہ تر فنی نوعیت کا ہے اور اسے ہر لحاظ سے دستاویزی بنانے کے لیے نقاد نے نمائندہ مثالیں فراہم کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

اردو ادب میں حریتِ فکر کی روایت کو پروان چڑھانے میں ممتاز شیریں کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔وہ عجز و انکسار اور خلوص کا پیکر تھیں۔ظلمت نیم روز ہو یا منٹو نوری یا ناری ہر جگہ اسلوبیاتی تنوع کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔قدرت اللہ شہاب اور محمود ہاشمی کے اسلوب کو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔قدرت اللہ شہاب کی تصنیف "یا خدا" اور محمود ہاشمی کی تصنیف "کشمیر اداس ہے" کا پیرایۂ آغاز جس خلوص کے ساتھ ممتاز شیریں نے لکھا ہے وہ ان کی تنقیدی بصیرت کے ارفع معیار کی دلیل ہے۔

وطن اور اہلِ وطن کے ساتھ قلبی لگاؤ اور والہانہ محبت ان کے قلب، جسم اور روح سے عبارت تھی ابتدا میں اگرچہ وہ کرشن چندر کے فن افسانہ نگاری کی مداح رہیں مگر جب کرشن چندر نے پاکستان کی آزادی اور تقسیم ہند کے موضوع پر افسانوں میں کانگریسی سوچ کی ترجمانی کی تو ممتاز شیریں نے اسے سخت ناپسند کرتے ہوئے کرشن چندر کے بارے میں اپنے خیالات سے رجوع کر لیا اور ان کے اثرات کے بارے میں کرشن چندر کی رائے سے اختلاف کیا۔

ممتاز شیریں نے اردو ادب میں منٹو اور عصمت چغتائی پر جنس کے حوالے سے کی جانے والی تنقید کو بلا جواز قرار دیتے ہوئے ان کے اسلوب کو بہ نظرِ تحسین دیکھا۔اس حوالے سے مظفر علی سیّد لکھتے ہیں کہ جتنے بھی لوگوں نے منٹو کے بارے میں لکھا ہے اس میں سب سے زیادہ نام اور کام ممتاز شیریں کا نظر آتا ہے جو بہت اہمیت کا حامل ہے۔(9)

انہوں نے منٹو پر جم کے لکھا ہے جس کا محض یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے متعدد مقالات اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر قلم بند کیے ہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے کسی قدر محویت اور ذمہ داری سے لکھا ہے۔ایک انٹرویو میں ممتاز شیرین نے منٹو کی طرف اپنی مفصل توجہ کا یہ جواز فراہم کیا ہے:-

> **منٹو ایک سچا اور بے باک فنکار تھا ،ایک آگ تھی جس میں وہ مسلسل تپتا رہتا تھا۔منٹو کے افسانوں میں بلا کی جان ہے اور ان کا تاثر ہر سطح کے پڑھنے والے قبول کرتے ہیں۔یوں تو میں نے بہت سے افسانہ نگاروں کا اپنے مضامین میں جائزہ لیا ہے (یہاں یہ حاشیہ لگانے کی ضرورت ہے کہ ایک مدت تک منٹو کا جائزہ تو کیا اس کا نام بھی نوکِ قلم تک نہیں آنے دیا) لیکن منٹو پر ایک کتاب لکھنے کا خیال اس لیے آیا تھا کہ میری نظر میں منٹو ہمارا نمائندہ اور بہترین افسانہ نگار ہے۔"(10)**

منٹو ہمارے ادب کا اہم اور متنازع فیہ افسانہ نگار ہے، عام طور پر اُسے ایک جنس نگار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔اور اس کی بے رحم حقیقت نگاری کے اعتراف سے پہلے اس پر فحش نگاری کا الزام عائد کیا جاتا ہے، ممتاز شیریں کی منفرد عطا یہ ہے کہ انہوں نے ان الزامات کا اثر لیے بغیر منٹو کے باطن میں پرورش پانے والے انسان کے تدریجی ارتقا کا جائزہ لیا ہے۔یہ دریافت خالصتاً ممتاز شیریں کی ہے کہ منٹو کے ابتدائی افسانوں میں فطری انسان کا اور آخری افسانوں میں نامکمل انسان کا تصور موجود ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید اس خیال کے حامل ہیں کہ ممتاز شیریں نے جدید نفسیات کو استعمال کرتے ہوئے منٹو کے داخل تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔وہ منٹو پر پوری کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتی تھیں لیکن موت نے انہیں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہچانے کی مہلت نہیں دی۔(11)

ممتاز شیریں کی تنقید کی اوّلین خوبی اُن کا وسیع مطالعہ کی گہرائی ہے۔اُن کے ہاں مشرقی وضعداری اور انکساری بھی بہت پائی جاتی ہے۔اُنہوں نے تنقید کو ایک ایسا اندازِ نظر عطا کر دیا ہے جس کی مؤجد بھی ممتاز شیریں ہیں اور خاتم بھی۔ان کے ہاں مغربی ادب کا حوالہ مشرقی ادب کی فہم و

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

فراست اور تجزیہ و موازنہ کا وسیلہ ہے چنانچہ وہ اس وسیلے سے نہ صرف مشرقی ادیبوں کی قدر و قیمت کا تعین کرتی ہیں بلکہ انہیں مغربی ادب کے حوالے سے بھی جانچتی ہیں۔ڈاکٹر انور سدید اس حوالے سے لکھتے ہیں:-

"دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مقابلے میں ممتاز شیریں نے کہیں بھی مشرقی ادیب کو مغربی ادیب کا ہندوستان ایڈیشن قرار دینے کی کوشش نہیں کی۔چنانچہ ان کے ہاں قراۃ العین حیدر۔۔۔قراۃ العین حیدر ہی نظر آتی ہیں۔انڈین ورجینیا وولف کا روپ نہیں دھارتی۔سعادت حسن منٹو اپنی تمام تر سادیت کے باوجود سعادت حسن منٹو ہی رہتا ہے، پاکستانی موپاساں نہیں بنتا۔ممتاز شیریں کی نظر میں ہر ادیب کا اپنا قد اور اپنا انداز ہے اور وہ اس کو اسی پیمانے پر پرکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔انہوں نے مشرقی و مغربی ادیبوں کے درمیان فن کے حوالے سے وجہ اشتراک اور تضاد عمدگی سے دریافت کی ہے اور تقابلی موازنوں میں بہت کامیاب نظر آتی ہیں۔" (12)

نقاد ممتاز شیریں کشادہ ذہن اور وسیع فکر کی حامل شخصیت تھیں۔ان کے مقالوں میں سیاسی ،سماجی ،ادبی اور کسی حد تک مذہبی اور اخلاقی نظریات سے بھی بحث کی گئی ہے۔ان کو عام طور پر ترقی پسند تحریک کا مخالف سمجھا جاتا رہا ہے۔ان کے نظریات کی مخالفت بھی ترقی پسند حلقوں نے کی اور انہیں برملا رجعت پسند کہا۔ ترقی پسند تحریک نے ادب برائے زندگی کے نعرے کو فروخت دینے کے لیے ادب برائے ادب کے نظریے کو اس کی معنوی گہرائی میں جھانکے بغیر اس کی سب سے زیادہ تکذیب کی۔ممتاز شیریں کی نظر میں زندگی کے بغیر ادب کا ہر تصور نامکمل ہے۔انہوں نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ ادب برائے ادب کا فقرہ گمراہ کن فقرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ (13)

یہ بات بھی حقیقت ہے کہ کوئی ادب زندگی سے کٹ کر خلا میں تخلیق نہیں ہو سکتا۔یہ اپنا مواد زندگی ،معاشرہ اور عوام سے حاصل کرتا ہے چنانچہ ممتاز شیریں ادیب کی ذہنی آزادی کی حامی اور ادبی ریاضت کی متقاضی ہیں۔اُن کا یقین ہے کہ ادیب سستے نعرے اور گالی گلوچ پر نہیں اترتا۔ادیب کا کام لکھنا ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی ریاضت ہے۔(14)

بلاشبہ ممتاز شیریں نے ترقی پسند تحریک کو مقصدیت اور نظریہ پسندی کے حوالے سے اہمیت نہیں دی۔اس کے لیے ان کے پاس متوازن اندازِ نظر اور معتدل دلائل کی وسیع دینا ہے۔اس صحت مند اختلاف کے باوجود وہ ترقی پسند تحریک کو ایک زبردست تحریک تصور کرتی ہیں۔اپنے مقالے "ترقی پسند ادب" میں وہ تاریخی تناظر کے حوالے سے ترقی پسند تحریک کا ایک ایسا وسیع اور عالمگیر تحریک کے طور پر تعارف کراتی ہیں جو مخصوص حالات کے زیر اثر نیک اغراض و مقاصد لے کر اٹھی اور جس نے اپنے دامن میں ادب کے علاوہ دوسرے فنون لطیفہ کو سمیٹ لیا۔وہ ترقی پسند ادب کی تعریف یوں بیان کرتی ہیں: -

"وہ ادب جو زندگی کو اپنے حقیقی روپ میں پیش کرے جس میں زندگی کی تفسیر ہی نہیں تنقید بھی ہو اور جس میں زندگی کو بہتر بنانے کی صلاحیت ہو۔" (15)

ممتاز شیریں اپنے ہم عصر غیر ترقی پسند نقادوں کی طرح اس تحریک سے برافروختہ نہیں ہوتیں ،اور نہ ادب و فن کے توسط سے سیاسی اور سماجی نظریے کے اظہار کو معیوب سمجھتی ہیں بلکہ وہ ادب کو نظریات و افکار کا اس حد تک حامل دیکھنا چاہتی ہیں جس سے ادب کی ادبیت مجروح نہ ہونے پائے۔اس حوالے سے وہ لکھتی ہیں:-

"ترقی پسند ادب بڑی حد تک مقصدی ادب ہے اور پرچار کے لیے پروپگنڈہ بھی ادب میں شامل ہوتا جا رہا ہے۔حالانکہ پروپیگنڈے کی سطح تک گرائے بغیر بھی ادب میں افادیت کا عنصر لایا جا سکتا ہے۔مقصد فن کے پردے میں ڈھکا نہیں تو کم از کم اس طرح گھل مل جائے کہ اس کا اثر تو ضرور ہو لیکن مقصد آپ کو گھورتا ہوا نظر نہ آئے۔کامیاب فنکار طنزیہ جملوں، جوشیلی تقریروں اور پند و نصائح کی بھرمار کیے بغیر بھی بہت اثر پیدا کر سکتا ہے۔" (16)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ترقی پسند ادب کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ممتاز شیریں کے نزدیک ترقی پسند ادب تو ہر دور کے ادبی مظہر میں پایا جاتا ہے۔تحریک کی حمایت میں لکھتے لکھتے وہ پروپیگنڈے اور مقصدی ادب کے خلاف ہو جاتی ہیں اور ادب میں سنجیدگی، توازن اور اعتدال کی خوبیاں پیدا کرنے کا مشورہ دینے لگتی ہیں۔ترقی پسند تحریک کے متعلق ممتاز شیریں کی تحریروں کا بغور مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تحریک سے ان کے اختلاف کی وجہ ترقی پسندوں کی ضرورت سے زیادہ مقصد پسندی اور ایک سنگلاخ نظریے کی جابرانہ تقلید اور عملی ریاکاری ہے۔

اردو ادب میں خواتین کی تنقید کی کوئی روایت موجود نہ تھی۔لہٰذا ممتاز شیریں کی تنقید ان کے اپنے فطری ذوق اور ادبیاتِ مغرب کے وسیع مطالعے کا نتیجہ تھی۔چنانچہ ممتاز شریف کو ایک خاتون کی حیثیت سے اردو ادب میں روایاتِ تنقید کی بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔انہوں نے مغربی ادیبوں کی اور ادب کے حوالوں سے کسی کو مرعوب کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعض ادبی آفاقی مماثلتوں اور مشابہتوں کا جائزہ لیا ہے۔اور ہندو پاکستان کے ان ادیبوں کا جائزہ لیا ہے جو مغربی ادب سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ممتاز شیرین کی سب سے ممتاز خصوصیت ان کی قومی بین الاقوامیت اور بین الاقوامی قومیت ہے وہ اپنی اس مخلصانہ خصوصیت کو بروئے کار لا کر نقد و نظر کے جوہر دکھاتی ہیں اس اخلاص کی بدولت ان کی تلخ سے تلخ بات بھی شیریں معلوم ہوتی ہے۔

ممتاز شیریں ادب کی تخلیق کے لیے زندگی سے فنکار کی وابستگی اور سیاست کو زندگی کے ایک شعبے کی حیثیت سے ادب کے موضوع کے طور پر قبول کرنے اور اعتدال و توازن کے ساتھ اس کے اظہار کی قائل ہیں۔ادب پر سیاسی گرفت اور نظریہ پرستی کے ادب کش نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں: -

> **"ادب کا تعلق زندگی سے ہے۔سیاست زندگی کا صرف ایک جزو ہے۔زندگی کے ایک شعبے کی ایسی سے ادب میں سیاست کا بھی گزر ضرور ہے۔یہاں ادب کو سیاسی نہ بنانے سے میرا مطلب صرف یہ ہے کہ ادب محض کسی آئیڈیالوجی کا آئینہ یا کسی سیاسی پارٹی کا آلہ کار بن کر نہ رہ جائے۔یہ بھی نہیں کہ ادب کا سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"**
>
> **(17)**

تنقیدی فکر و شعور کے انضباط اور تنقیدی لہجے کے اعتبار نے ممتاز شیریں کو اردو افسانوی تنقید میں ایک معیار اور مقام پر فائز کر دیا ہے۔مغربی فکشن اور اس کی تنقید کے مطالعے کے اثرات نے نہ صرف ان کی تخلیقی کاوشوں پر بلکہ ان کی تنقید پر بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔انہوں نے اپنے مضامین میں مغربی خیالات اور تصورات کا جابجا اظہار کیا ہے۔1947 کے واقعے کے بعد ہندو پاک میں اٹھ کھڑے ہونے والے فسادات کو موضوع بنا کر لکھے گئے افسانوں پر جب رقم طراز ہوتی ہیں تو ان کا فنکار ذہن اور ان کی تجزیہ اور تجربہ پسند فکر اس قسم کی تحریر میں بھی، جس پر سماجی اور نظریاتی عوامل خاصے اثر انداز نظر آتے ہیں۔اظہارِ فن کی تکنیکوں پر تقابلی اور تجزیاتی بحث کے راستے تلاش کر لیتی ہیں۔

سب سے پہلے ممتاز شیریں اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ فسادات ہمارے ادیبوں کے لیے ایسی قریبی حقیقت تھے کہ جن سے صرف نظر کرنا ممکن ہی نہ تھا اور اسی لیے فسادات ہمارے ادب پر چھا سے گئے ہیں۔وہ لکھتی ہیں:-

> **"جنگِ عظیم کرہ ارض کے طول و عرض میں لڑی جانے کے باوجود ہندوستان سے دور تھی اور ادیب کے ماڈل یعنی انسانی زندگی۔۔۔۔۔۔جنگ کا صرف اقتصادی اثر پڑا تھا۔۔۔۔فسادات ہمارے لیے بالکل قریبی حقیقت ہیں، ہولناک، انتہائی بھیانک، ہمارے چاروں طرف پھیلی ہوئی آنکھوں کے سامنے کی حقیقت! فسادات نے زندگی کو تہ و بالا کر دیا تھا اس لیے فسادات نے ہمارے ادیب پر صرف اثر ہی نہیں ڈالا بلکہ ادب پر اس طرح چھا گئے کہ عرصے تک اور کسی موضوع پر شاذ ہی لکھا گیا۔" (18)**

ممتاز شیریں فسادات پر لکھے گئے ان افسانوں کو زیادہ سراہتی ہیں جن میں بنیادی انسانی مسئلہ کو اجاگر کیا گیا ہے۔انھیں اعتراض ہے تو ایسے فساداتی ادب سے جو سیاسی، سماجی اور مذہبی صورت حال کو تو نمایاں کرتا ہے مگر انسانی صورت حال کو نظر انداز کر جاتا ہے جو افسانے کا اصل تھیم ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اگر چہ وہ کرشن چندر کے افسانی نگاری کی مداح رہیں مگر جب کرشن چندر نے پاکستان کی آزادی اور تقسیم ہند کے موضوع پر افسانوں میان کانگرسی سوچ کی ترجمانی کی تو ممتاز شیریں نے اس پر گرفت کی بلکہ اسے سخت ناپسند کرتے ہوئے کرشن چندر کے بارے میں اپنے خیالات سے رجوع کر لیا اور تقسیم ہند کے واقعات اور ان کے اثرات کے بارے میں کرشن چندر کی رائے سے اختلاف کیا۔کرشن چندر کا افسانہ "پشاور ایکسپریس" انھیں پسند آتا ہے لیکن ان کے مطابق یہ افسانہ بھی غیر متوازن ہے اور اس میں مصنف کی جانب داری نظر آتی ہے۔اس حوالے سے ان کا خیال ہے کہ اس افسانے میں بناوٹ کا احساس نہیں ہوتا۔کرشن چندر نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ جس میں کہانی کے دونوں رخ پیش ہو سکیں۔لیکن ایک پلڑا جھکا ہوا نظر آتا ہے کیوں کہ پاکستان کی سرحد پار کرنے کے بعد مظالم کی تفصیلیں پھیکی پڑ گئی ہیں۔(19)ممتاز شیریں فسادات کے موضوع پر لکھے گئے تمام افسانوں کا جائزہ کسی خاص زاویے سے نہیں لیتی ہیں اور نہ ان میں مین میخ نکالنے کی کوشش کرتی ہیں بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں نہایت ادبی دیانت داری تنقیدی نظر اور انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔ممتاز شیریں کا تعلق تنقید کے اس دبستان سے ہے جو بنیادی طور پر فن اور فنی مسائل کو ادب کے متعلق کی بنیاد بناتا ہے۔اُن کے ہاں "کس طرح کہا گیا ہے" زیادہ اہم ہے اور کیا کہا گیا ہے؟ نسبتاً کم اہمیت رکھتا ہے، کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی وابستگی فنی اور جمالیاتی تنقید کے دبستان سے ہے۔قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہمارے بعض نقادوں نے جن میں ڈاکٹر تاثیر اور محمد حسن عسکری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔"پاکستانی ادب" کی بحث شروع کی جس میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا پاکستانی ادب کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہیے؟ چونکہ ممتاز شیریں محمد حسن عسکری سے متاثر تھیں، اس لیے وہ بھی اس بحث میں شامل ہو گئیں۔اس زمانے کے ترقی پسند نقادوں کا خیال تھا کہ ادب میں پاکستانی یا ہندوستانی کی تقسیم بے معنی ہے مگر مذکورہ بالا نقاد پاکستانی ادب کے تشخّص کے حامی تھے اور مستقبل کے پاکستانی ادب کو ہندوستانی ادب سے الگ ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ممتاز شیریں نے یہ نقطہ پیش کیا کہ پاکستانی ادب میں یہاں کی پانچ ہزار سالہ تاریخ شامل ہے جس کا سلسلہ موہنجوداڑو اور ہڑپہ تک جاتا ہے۔علاوہ ازیں ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے آٹھ سو سال اور محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے شروع ہونے والے تیرہ سو سال بھی پاکستانی ادب کی روایات کا حصہ ہیں۔

ترقی پسند تنقید نے زیادہ زور ادبی مواد پر دیا ہے یعنی اُن کے نزدیک "کیا کہا گیا ہے" اصل اہمیت رکھتا ہے چنانچہ انہوں نے اپنے ادبی گروہ سے تعلق رکھنے والے مصنفین کو نظریاتی اشتراک کی وجہ سے عظمت کی قبائیں پہنائیں، خواہ ان کی فنی حیثیت کمزور ہی کیوں نہ رہی ہو۔آج بہت سا ترقی پسند ادب ماضی کی گرد میں چھپ چکا ہے جس کی وجہ یہی ہے کہ وہ فنی طور پر بہت کمزور اور ہنگامی ادب ثابت ہوا ہے۔ممتاز شیریں نے ترقی پسند ادب پر تنقید کرتے ہوئے جو نقطۂ نظر پیش کیا تھا وہ نصف صدی گزرنے کے بعد درست ثابت ہوا ہے۔ترقی پسند نقطہ نظر رکھنے والے ادیب ادب کو محدود سیاسی نقطہ نظر کے مطابق لکھتے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ بہر صورت اس سیاسی نقطہ نظر کی پیروی میں ادب تخلیق کریں۔ ممتاز شیریں اس ضمن میں لکھتی ہیں:۔

"جبر ادب پیدا نہیں کر سکتا، جب تک ادیب بے ساختگی سے، آزادی سے نہیں لکھتا۔ادبی تخلیق ناممکن ہے، ادبی تخلیق کو ذہنی ایمانداری سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔"تخیل" قید میں بارآور نہیں ہو سکتا جب ذہنی آزادی فنا ہو جاتی ہے ادب مر جاتا ہے۔" (20)

ممتاز شیریں ادیب کی ذہنی آزادی کی حمایت اور ادبی ریاضت کا تقاضا کرتی ہیں۔وہ اس جبر کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں جو انفرادی ذہن کو بیرونی احتساب کے زیر نگین کر دیتا ہے اور آزاد سوچ کو "یہ لکھنا چاہیے، اس پر لکھنا چاہیے اور یوں لکھنا چاہیے" کا پابند کر دیتا ہے۔اس ضمن میں وہ نپولین کے دور حکومت کے فرانسیسی ادب ہٹلر کے زمانے کے نازی فن مسولینی کے زمانے کے اطالوی لٹریچر اور سٹالین کے زمانے کے روسی ادب کی مثال کے ذریعے یہ ثابت کرتی ہیں کہ جب بھی کسی ملک میں ادیبوں اور فنکاروں کو ذہنی محکوم بنایا گیا انہیں پارٹی لائن کے مطابق فن کی تخلیق پر مجبور کیا گیااور ذرائع ابلاغ پر اجارہ داری قائم کی گئی تو وہاں ادب پنپ نہیں سکا اور فن و ادب انحطاط و پستی کا شکار ہوا ہے۔

اس دور کے تصورات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ممتاز شیریں پاکستان میں اس وقت کے ادیبوں پر حکومت کے احتساب اور سماجی نظام سے بے اطمینانی کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ ترقی پسندوں کے تصورات سے بھی دست کش نظر آتی ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

انہوں نے پاکستانی ادب کے مسائل کو نہ صرف ادیب کی فطری آزادی سے پیش کیا، بلکہ وہ اپنے نظریات کو منوانے اور پاکستانی ادب کی اصطلاح کو مقبول عام بنانے میں بھی بڑی ثابت قدم نکلیں اور شدید ترین ذاتی مخالفت کے باوجود انہوں نے اپنی آواز کو ڈھنڈورے کے شور میں دبنے نہیں دیا ہے۔

الغرض ممتاز شیریں ایک وسیع المطالعہ، مشرق و مغرب کی فکشن اور تنقید پر حاوی نقاد ہیں۔وہ صاف شفاف ذہن کی مالک ہیں، نہ تو خود الجھی ہوئی باتیں لکھتی ہیں اور نہ ہی قاری کو الجھاتی ہیں۔اُن کی تنقیدات کو پڑھنے کے بعد افسانوی ادب کے مطالعے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔وہ قاری کو اصل افسانوی کتابیں پڑھنے کی طرف مائل کرتی ہیں اور یہ بہت اہم خصوصیت ہے، ممتاز شیریں کی اسی خصوصیت کی طرف حنیف رامے نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ: -

"ادبی تنقید کا مروجہ ڈھب یہ ہے کہ کسی خاص نقطہ نظر سے اور بندھے ٹکے معیاروں سے ادبی کارناموں کو پرکھا جائے، لیکن ادبی تنقید کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ ادب کے ذوق کو عام کرے۔ممتاز شیریں ہماری واحد ناقد ہیں، جنہوں نے ادبی ذوق کو فروغ دینے کا فریضہ ادا کیا ہے۔" (21)

ممتاز شیریں ادب کو پرکھنے کے لیے دیگر علوم و فنون سے بھی کام لیتی ہیں وہ تاریخی اور سماجی تناظر کی طرف اشارہ کر کے ادب کی تفہیم میں آسانیاں پیدا کر دیتی ہیں۔فنون لطیفہ میں سے مصوری اور موسیقی کے رجحانات کا ادبی رجحانات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کرتی ہیں وہ اس طریقہ سے ادب کو دیگر فنون کے ساتھ مربوط کر دیتی ہیں کہ جملہ فنونِ لطیفہ اپنی بنیاد اور اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔

اس سلسلے میں محمد حسن عسکری لکھتے ہیں :-

" اس زمانے کے دوسرے ادیبوں کی طرح سماجی عوامل کو تو خیر ممتاز شیریں نے اہمیت دی ہی ہے، لیکن منٹو سے متعلق مضامین میں انہوں نے جدید نفسیات سے بھی مدد لی ہے اس کوشش کی کامیابی یا ناکامیابی سے بحث نہیں مگر یہ کوشش اس بات کی دلالت ضرور کرتی ہے کہ جس ادبی تحریک سے ممتاز شیریں کا تعلق تھا وہ ادبی شعور کو کتنی وسعت دینا چاہتی تھی اور ساتھ ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے موضوعات کو سمجھنے کے لیے ممتاز شیریں کتنی پرخلوص کاوش کر سکتی ہیں۔" (22)

افسانوی ادب کی تنقید میں ممتاز شیریں کا دبنگ لہجہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔انہوں نے اردو تنقید کے دامن میں اپنی عالمانہ تنقید کے گوہرِ نایاب ڈال کر اسے عالمی ادب میں معزز و متفخر کردیا۔زندگی کی صداقتوں کو اپنے اسلوب کی حسن کاریوں سے مزیّن کرنے والی اس عظیم ادیبہ کے تخلیقی کارنامے کا تاریخِ ادب میں آب زر سے لکھے جائیں گے اور تاریخ ہر دور میں ان کے فقید المثال اسلوب لائقِ صد رشک و تحسین کام اور عظیم نام کی تعظیم کرے گی۔

حوالہ جات

1- "تنقید کیا ہے"، آلِ احمد سرور، مکتبہ جامع دہلی، چوتھا ایڈیشن، دسمبر 1985ء، ص-194
2- "تنقیدی نظریات"، مرتبہ سید احتشام حسین، ادارہ فروغِ اردو لکھنؤ، دوسرا ایڈیشن، 1941ء، ص-28
3- "حکایاتِ شیریں"، آصف فرخی، مشمولہ سوغات بنگلور، ستمبر 1992ء، ص-144
4- "ایک کامیاب نقاد، ایک ناکام افسانہ نگار"، شہزاد منظر مشمولہ قند ممتاز شیریں نمبر، پشاور، جنوری 1974ء، ص-72
5- ایضاً، ص-73
6- "ممتاز شیریں سے ایک انٹرویو" شفیع عقیل، جنگ، کراچی، 19 مارچ 1973ء
7- ممتاز شیریں بنام شاہد حمید مورخہ 14 ستمبر 1950ء، مشمولہ "محرابیں"، لاہور 1992ء، ص-15

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

8- "جدید اردو افسانہ" شہزاد منظر، عاکف بک ڈپو، دہلی، 1988ء، ص-237
9- "منٹو ممتاز شیریں کی نظر میں"، مظفر علی سید، مشمولہ "قند"، ممتاز شیریں نمبر، پشاور، جنوری 1974ء، ص-62
10- ایضاً، ص– 64
11- "ممتاز شیریں کی تنقید" انور سدید مشمولہ "قند" ممتاز شیریں نمبر، پشاور، جنوری 1974ء، ص– 88
12- ایضاً، ص- 83
13- ایضاً، ص- 83
14- "معیار" ممتاز شیریں، نیا ادارہ، لاہور 1963ء، ص-139
15- ایضاً، ص- 139
16- ایضاً، ص- 141
17- ایضاً، ص- 151
18- "فسادات پر ہمارے افسانے"، ممتاز شیریں مشمولہ "معیار"، لاہور، نیا ادارہ 1963ء، ص-203
19- ایضاً، ص- 206
20- "سیاست، ادیب اور ذہنی آزادی"، ممتاز شیریں مشمولہ "سوغات" بنگلور، ستمبر 1992ء، ص-278
21- ممتاز شیریں۔۔۔۔بطورِ نقاد"، ڈاکٹر شگفتہ زکریا مشمولہ "تخلیق" لاہور، فروری 2004ء، ص-95
22- دیباچہ "معیار" محمد حسن عسکری، نیا ادارہ، لاہور، 1963ء، ص-11